اِسلامی ریاست کااوّلین سیاسی منظر نامہ اوراس کے مبادی اُصول

The Initial Political Scenario of an Islamic State and its Basic Principles

ڈاکٹر محمد ریاض*

ڈاکٹر حاجی کریم خان**

ABSTRACT:

Though the initial conception of an Islamic state begins with the life of the Prophet (PBUH) in Mecca, yet its formal structure surfaced in Medina. In Mecca, the Prophet's (PBUH) wide-ranging communication endeavors showcase the society reflecting the basic concept of an Islamic state. The overarching principles, concepts, and views show that the Prophet (PBUH) wanted a society which could allow masses to live their lives as per the divine principles, teachings, and guidance. Likewise, the first communications of the Prophet (PBUH) in Mecca portray some basic and fundamental steps towards the establishment of an Islamic state. For instance, the Prophet (PBUH) mentioned that He was the messenger of God, He was the warner, and was sent by God to invite the masses towards a religion that claimed the predominant welfare of the humanity. Nevertheless, one may not consider the Meccan life of the Prophet (PBUH) providing the fundamental structure of a state because the contemporary conditions of Mecca at that time were not favorable for the Prophet (PBUH). For instance, the Prophet (PBUH) was being tortured and was forced to stop preaching of Islam. He (PBUH) was stranded in the *She'eb-Abi-Talib* for three years and was also forced to migrate three times. This means that even after the proclamations of the basic principles, concepts, and teachings, Islamic state could not establish its roots in the Meccan society and thus the fundamental picture of the state surfaced in the *Medinan* society. In this paper, the authors discuss the initial political scenarios of the Islamic state in terms of where and how it surfaced. While discussing the unique political scenarios of Mecca and Medina, the author's claim that *Medinan* society was infect the initial foundation or birthplace of an Islamic state.

Keywords: seerah, Islamic state, political scenario, Mecca, Medina.

اسلامی ریاست کااوّلین سیاسی منظر نامہ مکی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔تاہم ریاست کی باقاعدہ تشکیل مدنی زندگی میں ہوئی۔ آپ ﷺ کی وسیع ترابلاغی جدوجہد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگرچہ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مکی معاشرہ بھی اسلامی ریاست کااولین منبع تھا۔

---

*Assistant Professor, Baltistan University, Scardu.

**Assistant Professor, Baltistan University, Scardu.

Email: muhammad.riaz@uobs.edu.pk / hajikarim.khan@uobs.edu.pk

کیونکہ اصول و نظریات اور تعلیمات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ یقیناً ایک جداگانہ ماحول چاہتے تھے جہاں خدائی احکامات پر عمل پیرا ہونے کی مکمل آزادی ہو اور لوگ اُس وقت کے ماحول سے نکل کر ایک نئے ماحول کی طرف آئیں۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اولین پیغام رسانی بھی اسلامی ریاست کی تشکیل کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ میں خدا کی طرف سے پیغام رساں ہوں، میں تمہیں خبردار کرتا ہوں، میں تمہیں اُس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں جو فلاحِ انسانیت کا سب سے بڑا دعویدار ہے۔ یہ تمام اعلانات پیغمبری شان کے علاوہ ایک حاکم، رہبر و رہنماء کی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود مکی زندگی کو ہم ریاستی ڈھانچہ اس لئے قرار نہیں دے سکتے کہ اُس وقت کے حالات اور ماحول پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے سازگار نہ تھے۔ آپ ﷺ پر مظالم ڈھائے گئے، اسلام کی تبلیغ کرنے نہیں دیا گیا، تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اور آپ کی ساتھی تین بڑی ہجر تیں کرنے پر مجبور ہوئے۔ گویا اصول و نظریات، قواعد و ضوابط اور تعلیمات کے باقاعدہ اعلامیہ کے باوجود مکی معاشرہ ریاستی تشکیل کی منزل تک نہ پہنچ سکا اور اسلامی ریاست کی عملی صورت مدنی معاشرے میں نظر آئی۔ زیرِ نظر مقالہ میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اسلامی ریاست کا اوّلین سیاسی منظر نامہ کیا تھا اور اس کا آغاز کہاں سے ہوا۔ مکہ اور مدینہ کے الگ الگ سیاسی منظر نامہ پر بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ مدنی معاشرہ ہی دراصل اسلامی ریاست کا اوّلین منبع ہے۔

مسلمانوں کے نقطہ نظر کے مطابق اسلام ایک کامل دین اور مکمل دستورِ حیات ہے۔ یہ ایک طرف انفرادی زندگی کی اصلاح پر زور دیتا ہے وہی دوسری طرف اجتماعی زندگی کے زریں اصول بھی وضع کرتا ہے۔ اس دعویٰ کے ضمن میں مسلمانوں کے ہاں یہ عام تصور ہے کہ اسلام نے عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کی طرح سیاست جیسے اہم موضوع کی راہ بھی متعین کر رکھی ہے۔ اس سلسلے میں وہ مدینہ کی شہری ریاست کی مثال دیتے ہیں جس کی بنیاد پیغمبر اسلام ﷺ نے رکھی تھی۔ یہاں پر ہم اسلامی ریاست کے اجزائے ترکیبی اور اس کے وجود کے سلسلے میں ضروری تمام اقدامات پر بحث سے گریز کرتے ہوئے یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کی تاریخ میں کبھی اسلامی ریاست کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا؟ مختصراً اِس سوال کا جواب ہاں میں دیا جاسکتا ہے۔ البتہ تفصیلی جواب کیلئے ہمیں اسلامی تاریخ کو دو الگ الگ ادوار میں تقسیم کرنا ہوگا۔ پہلا دور اسلام کی ابتدائی وحی سے لے کر مدینہ منورہ میں باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام پر مشتمل ہے۔ اوّلین دور میں اسلام نے جہاں بطور مذہب اپنی شناخت وضع کر دی وہی ریاست کی تشکیل کے سلسلے میں معاون بننے والے تمام اُمورِ دنیا کے سامنے رکھ دیئے۔ چونکہ پہلی ہی فرصت میں اسلامی ریاست کا باقاعدہ قیام ممکن نہ تھا، اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ابتداء میں قوانین کی باریکیاں سمجھائی جائیں اور بعد ازاں ان قوانین کی ترسیل اس نہج پر کی جائے کہ لوگ عملی طور پر توان قوانین کے پیروکار نظر آئیں لیکن لاشعوری طور پر اس ریاست کی رعایا بن جائیں جو مستقبل قریب میں تشکیل پانے جا رہی تھی۔ یہ بات بھی قابل غور ہو سکتی ہے کہ عقائد اسلام ہی دراصل ریاست کی بنیاد ہیں۔ کیونکہ ریاست کے اجزائے ترکیبی خواہ ان کا تعلق انتظامی امور سے ہو، شرعی قوانین سے ہو یا کوئی بھی چیز جس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی زندگی سے ہو، وہ تمام کے تمام اسلامی

عقیدے کی بنیاد پر ہی ہوں گے۔البتہ اس نظریہ (عقائدِ اسلام، اسلامی ریاست کی بنیاد ہیں) کو ہم اس لئے قبول نہیں کر سکتے کہ اس وقت کے حالات ایک اسلامی ریاست کے قیام کیلئے موافق نہیں تھے جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کا تذکرہ کریں گے۔

دوسری جانب ہم ریاست کی لغوی و اصطلاحی باریکیوں سے بے نیاز ہو کر یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اوّلین پیغام رسانی اسلامی حکومت کی تشکیل کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ میں خدا کی طرف سے پیغام رساں ہوں، میں تمہیں خبردار کرتا ہوں، میں تمہیں اُس دین کی طرف دعوت دیتا ہوں جو فلاحِ انسانیت کا سب سے بڑا دعویدار ہے۔ یہ تمام اعلانات پیغمبری شان کے علاوہ ایک حاکم، رہبر و رہنماء کی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کلمات کے ذریعے ایک چھپا ہوا گوشہ بھی ظاہر کرنا مقصود تھا جس کو بعدازاں دعوت و ابلاغ جیسے مہم ترین امر سے موسوم کیا گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس زمین کا کوئی ایسا خطہ نہ تھا جہاں آپ ﷺ اسلامی احکامات کے نفاذ کے بعد ایک مقتدر ریاست کی بنیاد رکھ سکتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی نگاہ میں یہ بات مہم ترین تھی کہ زمین کے کسی ٹکڑے کا حصول ہی آپ ﷺ کی نبوت کا اہم مدعا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا سب سے اہم مقصد احکامِ اسلامی کی ترسیل و تبلیغ تھی۔ لیکن چونکہ بطور رہبر و رہنماء پیغمبر اسلام ﷺ ایک ایسا ماحول ضرور چاہتے تھے جو اسلامی تعلیمات کی ترسیل کے لئے معاون ثابت ہو۔ مکی زندگی میں بظاہر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ کیونکہ روسائے قریش کی مخالفت اس راہ میں حائل تھی اور وہ شدّت کے ساتھ اس بات کے خواہاں تھے کہ کسی بھی طرح پیغمبر اسلام ﷺ اس مقصد (تبلیغ کے لئے سازگار ماحول) کے حصول میں کامیاب نہ ہوں۔ لہٰذا ایک ایسے دور میں جب پہلی بار اسلام نے خود کو ظاہری منظر نامے میں دیکھا، اس کے سامنے شدید ترین مسابقت تھی، مقاومت تھی اور مخالفت بھی۔ مسلمان مفکرین[1] کے ہاں یہ ایک عام نظریہ ہے کہ اسلام نے ایک طرف اپنے نظریات کی تبلیغ کو ہمہ وقت فوقیت دی وہی دوسری طرف اسلامی ریاست کے قیام کی طرف بھی پیش قدمی جاری رکھی۔ تبلیغی رجحانات کی ترویج اور باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام کی طرف پیش قدمی دراصل اس وقت کی عرب ریاست (جو خود بھی باقاعدہ ریاست کی شکل میں موجود نہ تھی) کی صریح نفی تھی۔ روسائے قریش ایک ایسے شخص کی طرف سے صدیوں سے قائم دین (بت پرستی) کے خلاف باتیں سن رہے تھے جو ان کی نظر میں کم گو، صادق، امین اور پاک باز تھا۔ اپنے خداؤں (بتوں) کی بے توقیری ان سے برداشت نہ ہوئی لہٰذا انہوں نے اسلام مخالف روش کو اپنا وطیرہ بنالیا۔ ایسا نہیں تھا کہ قریش نے نرمی سے یا دھمکی سے پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہو۔ وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے پیغمبر اسلام ﷺ کو خریدنے کی کوشش کرتے، یہاں تک کہ انہوں نے حکومت کی پیشکش بھی کر ڈالی۔ تاہم اس کے بدلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کو ان کے خداؤں کی مخالفت بند کرنی تھی اور ان کی خود ساختہ ریاست[2] کو بھی تسلیم کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی تمام مراعات مسترد کر دیں اور اپنے اُس عالمی مشن (تبلیغ دین) کو جاری رکھنے کا اعادہ کیا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا تھا۔ قریش کے جب تمام حربے ناکام ہوئے تو وہ شدت پسندی پر اُتر آئے۔ اسلامی تاریخ میں یہ اولین موقع تھا جب ایک ریاست اپنے پورے وجود کے ساتھ دوسری ریاست (جو ابھی اپنے قیام کی طرف بڑھ رہی تھی) کے خلاف برسرپیکار نظر آئی۔ ذہنی و

جسمانی تشدد کی وہ مثالیں سامنے آئیں جس کو بیان کرتے ہوئے تاریخ بھی شرما جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو کسی دوسری ریاست (حبشہ) کی طرف ہجرت کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان جملوں میں اس ریاست کی تعریف کی: ''فان بها ملكا لا يُظلم عنده أحد وهي ارض صدق۔ وہ ملک (حبشہ) اور اس کا حکمران (نجاشی) حق و صداقت کا حامی ہے۔''[3] پیغمبر اسلام ﷺ نے ان مسلمانوں کو جو حبشہ کی طرف عنقریب روانہ ہونے والے تھے، اسلامی ریاست کے اوّلین اصولوں سے آگاہ کر دیا۔ یعنی ریاست اور اس کے حاکم میں موجود خوبیوں (حق و صداقت) کا تذکرہ کیا اور اس بات کی نشاندہی کی کہ مستقبل کی اسلامی ریاست کی تشکیل میں معاون بننے والے اجمالی اُصولوں میں سے دو اصول (حق و صداقت) یہ بھی ہونگے۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے عرب قبائلی نظام کو تسلیم نہ کرنے کا عمل اس بات کا متقاضی تھا کہ اس کا متبادل کوئی نظام ظاہر میں موجود ہو۔ لہٰذا اللہ تعالی کی حاکمیت، پیغمبر اسلام ﷺ کی اطاعت اور دین اسلام کی قوامت جیسے بنیادی نظریات سے باضابطہ ایک نظامِ زندگی متعارف کرایا گیا۔ البتہ جیسا کہ ہم نے شروع میں بھی بیان کیا کہ بظاہر پیغمبر اسلام ﷺ کو وہ ماحول میسر نہ تھا جہاں آپ ﷺ اسلام کے احکامات فی الفور نافذ کرتے، اس لئے محدود دائرے میں اس ریاست کا آغاز کیا گیا۔ حالانکہ خارج میں اس کا وجود نہ تھا۔ تاہم ڈاکٹر حمید اللہ کے نقطہ نظر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مکی زندگی بھی اسلامی ریاست کا ایک اہم حصہ تھی۔ ان کے نزدیک پہلی اسلامی آواز ہی در اصل اسلامی ریاست کا باقاعدہ آغاز تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''مکہ میں اسلامی ریاست باقاعدہ قائم ہو چکی تھی جسکے سربراہ پیغمبر اسلام ﷺ تھے یہ ہر طرح سے مکمل ریاست تھی۔ بیعت جیسے اہم عمرانی معاہدہ وجود میں آ چکا تھا۔ جو لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکے تھے وہ ہر معاملے میں آپ ﷺ کی پیروی کرتے تھے، در اصل یہ لوگ مذہبی عقیدہ ہو، سماجی رویہ ہو یا اخلاقیات، ہر پہلو میں آپ ﷺ کے اطاعت گزار بن چکے تھے۔''[4]

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مکی زندگی میں پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے باقاعدہ جدید نظام کا اعلان اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کو ریاست قرار دیا جائے؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت عملاً کفار قریش کی حاکمیت تھی۔ یہ بات بھی نمایاں ہے کہ شروع کے تین سال تک آپ ﷺ نے اسلامی مطالب کو خفیہ رکھا۔ عمومی اعلانِ رسالت سے قبل آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور ان کا تعلق بھی غریب اور نادار طبقہ سے تھا۔ ظاہراً دفاعی مزاحمت بھی آپ ﷺ کی طرف سے نہ ہونے کے برابر تھی۔ غرض یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس نہ اقتدار تھا، نہ اختیار تھا اور نہ ہی اقتدار و اختیار حاصل کرنے کی طاقت تھی۔ اس کے باوجود مکی معاشرہ کو اسلامی ریاست قرار دینا تاریخی اعتبار سے درست نقطہ نظر ہو گا؟ ریاست کا قیام کسی مصنوعی طریقے سے وجود میں نہیں آتا۔ صرف چند نظریات جن کا عملاً نفاذ بھی ممکن نہ ہو، کے بل بوتے پر کسی نظام کو وضع کرنا اور پھر لوگوں کو اس نظام کے تحت چلانا بہت مشکل امر ہے۔ کسی بھی ریاست کے قیام میں اخلاقی، نفسیاتی، تمدنی اور تاریخی اسباب بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ خاص طور پر بنیادی لوازمات، اجتماعی محرکات اور سب سے بڑھ کر فطری مقتضیات بھی ریاست کے قیام میں بنیادی اسباب فراہم کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے باقاعدہ اعلانِ رسالت کے بعد بھی مکی معاشرت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ چند نادار اور غریب افراد نے اگرچہ آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا لیکن عمومی ماحول ویسے کا ویسے ہی رہا جیسے پہلے سے چلا آرہا تھا۔ اتحاد و اتفاق کا دور دور تک وجود نہ تھا۔ پورا معاشرہ قبیلوں اور خاندان میں بٹا ہوا تھا۔ چھوٹی سے بات سالوں کی چپقلش کا سبب بنتی۔ اخلاقی قدریں بھی ناپید تھیں۔ ان کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ فطرت کے باغی تھے۔ اپنے حقیقی مالک و خالق سے منہ موڑ کر مصنوعی خداؤں کی چوکھٹ پہ سجدہ کرتے اور عورت کی تذلیل اپنی شان کی برھوتری سمجھتے اور لڑکی کا پیدا ہونا ان کیلئے باعثِ ننگ و عار تھا۔ جیسے ہی پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے ایک نئے دین کا اعلان ہوا، بجائے اس کے کہ وہ اس کے بارے میں غور و فکر کرتے، اس نئے نظام کے بہت بڑے مخالف کے طور پر سامنے آئے۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں ہر طرف مخالفت ہی نظر آئی وہاں پیغمبر اسلام ﷺ کی ابتدائی کوششوں اور آپ ﷺ کے چند وفادار ساتھیوں کو پیش نگاہ رکھ کر یہ قرار دینا کہ مکہ میں ہی اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی، ایک جذباتی اور اعتقادی عمل کے اظہار کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس دورانیہ میں اصول و نظریات یقیناً متعارف ہوئے کیونکہ عرب معاشرے میں صدیوں سے چلے آرہے نظریات یا رسومات ایک ایسے وقت میں چیلنج کئے گئے تھے جب وہ انتہائی بدحالی اور اخلاقی زبوں حالی کا شکار تھے۔ لوگوں کی بہت کم تعداد جدید نظریات سے متاثر ہوئی اور وہ اسلام قبول کرنے والوں میں شمار ہوئے۔ لہٰذ مکی معاشرہ کسی بھی طرح سے اسلامی ریاست کے قیام میں معاون ثابت نہیں ہوا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے وفادار ساتھیوں کو صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اسی مکی زندگی کے دوران اسلامی تاریخ کی تین بڑی ہجرتیں بھی واقع ہوئیں۔ پہلی دو ہجرتوں کا رُخ حبشہ کی طرف تھا جبکہ آخری ہجرت جو مکہ چھوڑنے کا حتمی اعلان بھی تھا اور اس بات کا اعتراف بھی کہ قریش نے پیغمبر اسلام ﷺ کو دین مبین کی تبلیغ کرنے دی اور نہ ہی نظامِ مملکت (اسلامی ریاست) وضع کرنے دیا، یثرب (مدینہ) کی طرف تھی۔ یہ ہجرت ایک ایسے وقت میں کی گئی جب پیغمبر اسلام ﷺ کی عمر ترپن برس تھی اور آپ ﷺ کے تبلیغی فرائض کے تیرہ سال بیت چکے تھے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ مکہ میں گزارنے کے باوجود اسلام کا عملی نفاذ نہ ہونا اس بات کی علامت تھی کہ قریشِ مکہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو اسلامی ریاست قائم کرنے کا موقع نہیں دیا۔

دوسرا دور مدنی زندگی سے شروع ہوتا ہے جبکہ عصرِ جدید کی تمام اسلامی ریاستیں اس دورانیہ میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ ہماری گفتگو کا محور بھی دراصل یہی دور ہے۔ مدنی زندگی سے ہماری مراد وہ ماحول ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ریاستی و تبلیغی مہم کا مرکز بنا۔ مکی ماحول میں جس جدوجہد (مذہبی، تمدنی، سیاسی) کا آغاز ہوا تھا، مدنی ماحول میں اس جدوجہد کو عملی جامہ پہنانے کا بھرپور موقع ملا۔ دارالہجرت بننے سے قبل مدینہ یثرب کے نام سے مشہور تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کے بعد اس شہر کی پہچان "مدینۃُ النبی" کے نام سے ہوئی[5]۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ آمد کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام ﷺ نے ریاستی امور کو اولین فوقیت دی۔ کیونکہ آپ ﷺ کی نگاہ میں یہ بات تھی کہ جن امور کو مکہ کے معاشرے میں انجام نہ دے سکے تھے اب یثرب میں ان کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اولین ترجیح کے طور پر پیغمبر ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور بعدازاں اسلامی تبلیغ کے لئے ضروری اہداف متعین کئے۔

کسی بھی معاشرے کی بنیاد تین چیزوں پر قائم رہتی ہے۔ مذہب، تمدن اور سیاست۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کے پاس مذہب تو تھاالبتہ موخرالذکر دونوں بنیادیں ان کے دسترس میں نہ تھیں۔ خاص طور پر سیاست (حاکمیت) میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی۔ کیونکہ روسائے قریش کی مخالفت اس سلسلے میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی۔ مدنی زندگی میں ایک بہت بڑاانقلاب یہ نظر آیا کہ اس ماحول میں بیک وقت مذہب بھی نمودار ہوا، نئ تہذیب کا آغاز بھی ہوااور سیاست کی نئی بنیاد بھی پڑ گئی اور نمایاں طور پر ایک نئ مملکت کا طلوع بھی ہوا جس کو ہم آج اسلامی ریاست کے نام سے جانتے ہیں۔اس مملکت کو اسلامی ریاست کہنے میں اس لئے بھی تامل نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل ہی مقامی باشندوں کی کثیر تعداد اسلام قبول کرچکی تھی۔ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب ایک تومکہ میں ہی پیغمبر اسلام ﷺ سے ان کی ملاقاتیں تھیں اور بعدازاں ان ملاقاتوں کے تناظر میں بیعت عقبیٰ اولیٰ وثانی جیسے عمرانی معاہدات تشکیل پائے تھے، جبکہ دوسرا سبب پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے متعین کردہ وہ مبلغین تھے جنھوں نے مدینہ میں اسلامی تعلیمات کی بھرپور تبلیغ کی اور ایک اسلامی ریاست کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ مدینہ ہجرت سے قبل بھی نمایاں ترین ایام اسلامی تاریخ میں دیکھے گئے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا میلادِ مسعود بھی اسلامی تاریخ کا اہم دن تھا۔ بعثتِ پیغمبر ﷺ دوسرا بڑا موضوع شمار کیاجاسکتا ہے۔اسی طرح حبشہ کیطرف مسلمانوں کی دو ہجرتیں بھی اس ضمن میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ نمایاں ترین واقعات (میلادِ مسعود، بعثتِ پیغمبر اسلام ﷺ، اولین دو ہجرتیں)اسلامی تاریخ کے مبادیات قرار نہیں پائے۔ لیکن ہجرتِ مدینہ مسلمانوں کیلئے بہت بڑی کامیابی ثابت ہوئی کیونکہ اسی ہجرت کے تناظر میں ایک مستقل حکومت کا وجود سامنے آیا، جبکہ مسلمان ستم زدہ ماحول سے نکل کر ایک آزاد فضاء مرکزیت میں داخل ہوگئے[6]۔ ابھی پیغمبر اسلام ﷺ مدینے میں پوری طرح فروکش بھی نہ ہوئے تھے کہ مدینے کے نوجوان طبقہ نے آپ ﷺ کی سیادت تسلیم کرلی اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم جانا:

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا   مادعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع[7]

ترجمہ: چاند ثنیۃ الوداع سے طلوع کیا، جب تک روئے زمین پر ایک آدمی بھی خدا کو پکارتا ہوگا، عبادت کرتا ہوگا، اس نعمت کا شکر ہم پر لازم ہے۔ اے وہ شخص کہ تو خدا کی طرف سے ہماری ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہے، تیرا حکم ہم سب پر لازم ہے اور قابل اطاعت ہے۔

ایک اور بات جو نمایاں طور پر بیان کرنے کی ہے وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد سے ہی نفاق کا پیدا ہونا ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل اوس و خزرج نے عبداللہ بن اُبَیّ کو فرمانروائے مطلق کے طور پر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تاہم جب پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ تشریف لائے توان کی اطاعت، سیادت اور قیادت خطرے میں پڑ گئی اور یہی سے اسلام میں نفاق کا آغاز بھی ہوا۔

کیونکہ عبداللہ ابن اُبَی کسی بھی صورت مدینے کی سیادت سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ جبکہ دو مضبوط قبائل بھی ان کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے اب جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ ابھی مدینے میں فروکش ہی ہوئے تھے۔ ابھی نہ اعلانِ سیادت ہوا تھا، نہ قیادت کی طلبی کی گئی تھی اور نہ ہی اختیار مانگے گئے تھے۔ عبداللہ ابن اُبَیّ اوس و خزرج کی جانب سے پیغمبر اسلام ﷺ کا والہانہ استقبال دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ اب ان کی فرمانروائی کے امکانات معدوم ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وقتاً فوقتاً عبداللہ ابن اُبَیّ اسلام کی مخالف کرتا نظر آیا۔ غزوہ بدر میں ابھی جنگ شروع ہی ہونے والی تھی کہ یہ قوم پرست لیڈر صرف اس بات کو بنیاد بنا کر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہوا کہ جنگی حکمت عملی مرتب کرتے وقت ان کی طرف سے دی گئی رائے نہیں مانی گئی۔ ان کی طرف سے بعد کے واقعات بھی مخاصمانہ طرز کے ہی نظر آئے۔ غزوہ بنی مصطلق میں ایک انصاری اور مہاجر میں جھگڑا ہوا۔ قریب تھا کہ قومی عصبیت جاگ اٹھے، پیغمبر اسلام ﷺ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ البتہ عبداللہ ابن اُبَیّ نے اس واقعہ کو خود کیلئے غنیمت جانا اور مدینے کے مسلمانوں کو مخالف کرتے ہوئے کہا: "یہ تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی اور اپنے اموال ان پر بانٹ دیئے۔ خدا کی قسم آج تم ان سے ہاتھ کھینچ لو تو یہ ہوا کھاتے نظر آئیں گے۔"[8] بعد کی زندگی میں بھی اس شخص کو ہمیشہ سے سیادت و قیادت کی طلب رہی۔ مندرجہ بالا جملوں میں بھی ان کے دل میں دبی خواہش پوری طرح عیاں نظر آتی ہے۔ عبداللہ بن اُبَیّ کی اسلام سے مخاصمت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ وہ ایک ایسی ریاست کے حاکم بننے کی خواہش رکھتا تھا جو پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کے بعد اس سے چھین جانے والی تھی۔ جس رعایا (اوس و خزرج) نے ان کی حاکمیت کی توثیق کی تھی، پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد سے یہ توثیقی رجحان تبدیل ہو گیا۔ بجائے اس کے کہ اوس و خزرج اپنے سابقہ فیصلہ پر قائم رہتے، انہوں نے نہ صرف نئے حکمران (پیغمبر اسلام ﷺ) کی سیادت و حاکمیت کو تسلیم کیا بلکہ عبداللہ ابن اُبَیّ جیسے قوم پرست رہنماء کو یکمشت نظرانداز کر دیا۔ عبداللہ ابن اُبَیّ کی اسلام مخالف روش دراصل اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے مذہبی کردار سے خوف زدہ نہ تھا بلکہ وہ آپ ﷺ کے اُس سیاسی کردار سے خوف زدہ تھا جس کی بنیاد پر عنقریب مدینے کی حاکمیت آپ ﷺ کو تفویض ہونی تھی۔

اسلامی ریاست میں نافذ دستوری آئین کے حقیقی حزبِ اختلاف مدینے کے یہودی تھے۔ ریاست کے آئین میں اگرچہ یہودیوں کیلئے بھی کئی طرح کی مراعات رکھی گئیں تھیں تاہم بطور مجموعی ان کا کردار مسلمانوں سے الگ اور جداگانہ تھا۔ مدینہ کے سربراہ (پیغمبر اسلام ﷺ) کی تعلیمات کا اقرار نہ کرنا اور اپنی ہی مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اس بات کا بین ثبوت تھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ اور دوسری قوم کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ اسلامی ریاست کی تشکیل سے قبل مدینہ پر یہودی سیاست کی گہری چھاپ تھی۔ یہ اوس و خزرج کے بلاواسطہ حاکم تو نہ تھے تاہم بالواسطہ ان کی حاکمیت کے اثرات ضرور موجود تھے۔ اپنی خود مختاری اور نظر نہ آنے والی حکومت برقرار رکھنے کیلئے انہوں نے اوس و خزرج کو باہمی طور پر الجھا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ یہودی دونوں قبائل میں اختلافات و نزاعات پیدا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ جنگ بعاث کے خاتمہ اور عبداللہ ابن اُبَیّ کی فرمانروائی پر دونوں قبائل کا اتفاق

یہودیوں کیلئے بری خبر تھی۔ اوپر سے پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد ان کیلئے مزید ناخوشگواری کا سبب بن گئی۔ اب پیغمبر اسلام ﷺ کی سیاسی بصیرت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ نہ صرف مسلمانوں کیلئے ریاستی دستور وضع کریں بلکہ یہودیوں سمیت دوسری تمام اقوام کیلئے بھی ایک ایسا دستور سامنے لائیں جس میں انسانی مساوات سمیت دیگر تمام حقوق موجود ہوں۔ اس سلسلے میں بطور خاص میثاق مدینہ کی مثال دی جاسکتی ہے۔ آنے والے دنوں میں یہودیوں کیطرف سے میثاقِ مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی گئی۔ تاہم ان خلاف ورزیوں کی یہودیوں کو بھاری قیمت چکانی پڑی۔ تین مشہور قبیلوں میں سے دو (بنو قینقاع، بنو نضیر) کو جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی جبکہ تیسرے قبیلے (بنو قریظہ) کیخلاف سخت اقدام اٹھایا گیا جسکے نتیجے میں ان کے سینکڑوں جنگجوؤں کو سزائے موت دی گئی[9]۔ جلاوطن یہودی مدینہ کے شمال کی طرف ایک سو پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع نخلستانی علاقہ خیبر میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہ علاقہ اب تک اسلامی ریاست (مدینہ) کے دسترس میں نہیں آیا تھا۔ باوجود کہ ان یہودیوں کو اپنا وطن، گھر بار، زمین سب چھوڑ کر بے دخل ہونا پڑا تھا اور اس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ان کی سازشیں اور سربراہ مملکت کی حکم عدولی تھی، پھر بھی وہ اپنی سازشوں سے باز نہ آئے۔ خیبر کی سرزمین ان کیلئے دفاعی مرکز اختیار کر گئی۔ یہاں بیٹھ کر وہ اسلامی مملکت کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگے، اسی دوران قریش مکہ سے ساز باز بھی کی۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ اسلامی ریاست پر کوئی پیشگی حملہ کرتے، پروپیگنڈہ مہم پر اکتفا ضروری سمجھا۔ سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب جیسے سرکردہ رہنماء پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کمربستہ ہوگئے اور اپنی شرانگیزیوں کے ذریعے اسلامی ریاست کے سربراہ کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی۔ تاہم مذکورہ بالا افراد نے اپنی پروپیگنڈہ مہم پر مبنی روش جاری رکھی اور اتمام حُجت کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا۔ اسلامی ریاست کی باقاعدہ تشکیل کے بعد خود ریاست کے اندر پیدا شدہ بغاوت کی سرکوبی کیلئے یہ پہلا اقدامی فیصلہ تھا حالانکہ اس سے قبل پیغمبر اسلام ﷺ بطور ریاستی سربراہ کئی غزوات میں شریک ہو چکے تھے اور ان جنگوں کا تعلق زیادہ تر دفاعی اور بیرون مدینہ سے تھا۔ خیبر کا مسئلہ چونکہ اسلامی ریاست کا اندرونی معاملہ تھا اور پھر خطرہ بھی ان عناصر سے تھا جو پہلے کے زخم خوردہ تھے۔ لہٰذا ریاست کی بقاء جیسے اہم امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ان عناصر کے خلاف سخت اقدام اٹھایا گیا اور اس کے نتیجے میں نہ صرف جلاوطن یہودیوں کو شکست فاش ہوئی بلکہ اسلامی ریاست کی حدیں خیبر کی زمین تک پھیل گئیں۔

اسلامی ریاست کے مبادی عناصر میں سے ایک اور بڑا عنصر مدینہ کی اندورنی فضاء کو سازگار بنانا تھا۔ اس سلسلے میں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے دو ضروری اقدامات اٹھائے۔ ایک خود مسلمانوں (مہاجرین و انصار) کے درمیان بھائی چارگی کی بنیاد ڈالی۔ ''مواخات'' کے نام سے مشہور یہ مذہبی معاہدہ نہ صرف مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو مستحکم کرنے کا سبب بنا بلکہ آئندہ آنے والی زندگی کے لئے بھی بطور نمونہ قبول کر لیا گیا۔ دوسرا بڑا اقدام (جو نوزائیدہ مملکت کے لئے ضروری بھی تھا) مدینہ میں موجود تمام قبائلیوں سے بقائے باہمی کے تحت عمرانی معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے تناظر میں فی الفور اور دوررس نتائج کے ثمرات محسوس کئے گئے۔ فوری نتائج کے ثمرات مدینہ کی حفاظت کی صورت میں ملے جبکہ دوررس نتائج میں یہودیوں نے قانون سازی کیلئے ایک ایسی برتر شخصیت کے اختیار کو

تسلیم کیا جس کی عزت و وقعت یہودیوں سمیت مدینے کے تمام شہریوں میں مسلم ہونے جا رہی تھی یعنی ایک طرح سے یہودیوں نے پہلی بار منصہ شہود پر آنے والی اسلامی ریاست کے اندر پیغمبر اسلام ﷺ کی ماتحتی میں رہنے کا آئینی فیصلہ قبول کر لیا تھا۔

ریاست کے وجود اور اس کی بقاء کے سلسلے میں اٹھائے گئے تمام ضروری اقدامات پر بحث کے بعد یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ کیا اس ریاست کے حکمران نے خود بھی اپنی سیادت کا اعلان کیا تھا؟ اس کا جواب انصارِ مدینہ کی طرف سے اٹھائے گئے وہ اقدامات جیسے قبل از ہجرت مکہ میں ہی پیغمبر اسلام ﷺ سے ملاقاتیں، آپ ﷺ کے ہاتھوں بیعت (بیعت عقبیٰ و ثانی)، مبلغین اسلام مدینہ بھیجنے کی درخواست، پھر پیغمبر اسلام ﷺ کی مدینہ آمد پر والہانہ استقبال اور بھرپور خوشی کا اظہار اولین ثبوت کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ البتہ سربراہِ ریاست کی طرف سے باقاعدہ اعلانِ سربراہی محلہ بنی سالم میں قائم پہلے جمعہ میں کیا گیا۔ اس جمعہ کا خطبہ ایک ریاست کی تشکیل میں معاون بننے والے عناصر میں سے پہلا عنصر تھا۔ اگرچہ یہ خطبہ خالصتاً اسلامی تبلیغات کا بھرپور مظہر تھا تاہم اس خطبے کے ذریعے پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی سیادت کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اسلامی ریاست کی تشکیل اور اس کے قیام کے سلسلے میں بیان کئے گئے مذہبی و معاشرتی نکات پر مشتمل اس خطبے میں پیغمبر اسلام ﷺ نے رعایا کو اللہ اور اپنی اطاعت کی طرف متوجہ کیا۔ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے نمائندگان برحق کی ذمہ داریوں کو بیان کرنے کے ساتھ اس امر کی صراحت بیان کر دی کہ اللہ کا نمائندہ اولین قدم کے طور پر درج ذیل امور اپنے ذمہ لیتا ہے: پوری دنیا کی ہدایت، دین حق کی تبلیغ اور انسانیت کو موعظت و نصیحت [10]۔

دراصل یہ خطبہ اسلامی ریاست کے سربراہ کا اپنی رعایا سے پہلا خطاب تھا جس میں حکمران اور رعایا کی دو طرفہ ذمہ داریاں متعین کی گئیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ جب مکہ سے روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ کے پاس اسلام کے بنیادی اصول موجود تھے۔ چونکہ مکہ میں ان کا نفاذ ممکن نہ ہو سکا تھا اس لئے جب مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد ہوئی تو آپ ﷺ نے ترتیب وار ان اصولوں کا نفاذ ممکن بنایا۔ مواخاتِ اسلامی، میثاقِ مدینہ، سربراہ مملکت کی حیثیت سے مختلف ریاستوں کے سربراہان کے نام خطوط اور بیرون ممالک سے وفود کی آمد، ان اصولوں کے تحت منظر عام پر آنے والے ریاستی اقدامات تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں ہی صورتوں میں پہلی اسلامی ریاست کی عمومی ہیئت بہت ہی کارگر ثابت ہوئی۔ اسلام کی صورت میں اس کے پاس دعوت و تبلیغ جیسا ہتھیار موجود تھا جبکہ بطور ریاست اس نے آئین و قانون اور نظریات کی صورت میں اپنی شناخت بتلا دی۔

حوالہ و حواشی

1 اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری اور ڈاکٹر اسرار احمد کا نام سرفہرست ہے۔ چاروں مفکرین کے نظریات معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی موقف کی تائید کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ مکی زندگی کو بھی اسلامی ریاست قرار دیتے ہیں۔ مولانا مودودی اگرچہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ پہلی ہی آواز اسلامی ریاست کی بنیاد تھی البتہ ان کے نزدیک مکی زندگی میں اصول و قواعد ضرور وضع ہوئے تاہم باقاعدہ ریاست

کا قیام مدینہ میں عمل میں آیا۔اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:" مکہ میں تو معاملہ صرف اصول دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود تھا، مگر جب ہجرت کے بعد عرب کے مختلف قبائل کے وہ سب لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے، ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے اور انصار کی مدد سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے تمدن، معاشرت، قانون اور سیاست کے متعلق بھی اصولی ہدایات دینی شروع کیں۔"(تفہیم القرآن، ج1، ص47)، مولانا مبارک پوری کہتے ہیں: میثاق مدینہ طے ہو جانے سے مدینہ اور اس کے اطراف ایک وفاقی حکومت بن گئے جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ پیغمبر اسلام (ﷺ) تھے اور جس میں کلمہ نافذہ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی۔"(الرحیق المختوم، ص267)، ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک مدینہ پہنچ کر پیغمبر اسلام ﷺ نے ریاستی امور کی ذمہ داریاں سنبھال لی، آپؐ فوج کے سپہ سالار اور جرنیل ہیں، ریاست کے سربراہ ہیں، چیف جسٹس کا رول ادا کر رہے ہیں، معاہدے کر رہے ہیں، گویا مدینہ میں آپ ﷺ ایک مدبر سیاست دان کے روپ میں نظر آرہے ہیں۔"(اسرار احمد، ڈاکٹر، منہج انقلابِ نبوی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 1999ء ص119)

[2]خود ساختہ ریاست ہم نے اس لئے کہا کہ اس وقت جزیرہ عرب خود ریاست کی شکل میں نہ تھا، لوگ ایک قبائلی نظام کے تحت زندگی گزارتے تھے۔ خانگی معاملات سے لے کر سیاسی معاملات تک تمام کے تمام قبائلی نظام کے تحت حل کئے جاتے تھے، طاقت ور ترین افراد قبیلے کے سربراہ کے طور پر منتخب ہوتے تھے۔ان کی قبائلی عصبیت اس وقت جاگی جب پیغمبر اسلام ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ جدا جدا قبائلیوں میں بٹے ہونے کے باوجود قریش کی پوری مخالفت ایک فرد (پیغمبر اسلام ﷺ) کے خلاف نظر آئی اور یوں عرب کا قبائلی نظام جو اگرچہ انفرادیت کا حامل تھا اجتماعیت کی صورت میں پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے نمودار ہوا اور ایک خود ساختہ ریاست کی شکل اختیار کر گیا۔

[3]ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابن عمر، البدایۃ والنھایۃ، مرکز البحوث والدراسات العربیہ والاسلامیہ بدارِ ھجر، الریاض، 1417ھ بمطابق 1997ء، ج4، ص166

[4]حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ کی حکمرانی و جانشینی (مترجم: پروفیسر خالد پرویز)، بیکن بکس، لاہور، 2006ء، ص15

[5]العمری، ڈاکٹر اکرم ضیاء، المجتمع المدنی فی عہد النبوۃ، المملکۃ العربیہ السعودیہ، الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورۃ، 1403ھ، ص65

[6]جعفر سبحانی، فروغِ ابدیت، (مترجم: مولانا نصیر حسین)، امامیہ پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ج1، ص242-243

[7]حلبی، علی بن برہان الدین، سیرت حلبیہ، (مترجم: مولانا محمد اسلم قاسمی)، دارالاشاعت، کراچی، 2009ء، ج2، ص235

[8]ابن ہشام، لابی محمد عبدالمالک بن ہشام، سیرۃ النبی (ﷺ)، ادارہ اسلامیات، لاہور، س ن، ص195

[9]ابن خلدون لکھتے ہیں:"ثم أنه أمر فأخرجوا إلى سوق المدينة و خندق لهم بها خنادق و ضربت أعناقهم فيها و هم بين الستمائة والسبعمائة رجل"اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے بنو قریظہ بازارِ مدینہ کی طرف لائے گئے اور خندقیں کھود کر ان کی گردنیں ماری گئیں، ان کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ بحوالہ: ابن خلدون، عبدالرحمن، دیوان المبداء والخبر فی تاریخ العرب والبربر و من عاصرھم من ذوی الشان الاکبر، دارالفکر، بیروت، 1421ھ / 2000ء، ج2، ص444

[10]ابن کثیر، حافظ عمادالدین ابن عمر، ص526-528/ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الطبری، دار ابن کثیر، دمشق، 2007ء، ج2، ص73

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.